حافظ ظہور احمد اظہر

مُلّا سعد اللہ ملتانی ثمّ لاہوری

نویں صدی ہجری کے نصف ثانی سے دسویں صدی ہجری کے ابتدائی عرصے تک سرزمین ملتان پر افغانوں کے قبیلہ لنگاہ کے ایک دور اندیش اور باہمت شخص رای سہرہ ملقب بہ سلطان قطب الدین لنگاہ اور اس کی اولاد کی حکومت رہی۔ یوں تو ہندوستان میں اسلام کے داخلے سے ہی ملتان کو کسی نہ کسی طرح اہمیت حاصل رہی ہے اور شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی جیسے صاحب حال و قال بزرگوں کا مسکن ہونے کا اسے شرف حاصل ہوا لیکن اس لنگاہی خاندان کے ایک بادشاہ سلطان حسین ولد قطب الدین (۸۷۴ھ/۱۴۶۹ء تا ۹۰۴ھ/۱۴۹۸ء) کے دور میں اس شہر نے علمی و ثقافتی لحاظ سے جو اہمیت اختیار کی، اس کی مثال تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ فرشتہ اور نظام الدین کے متفقہ الفاظ ہیں[۱]: "او بغایت قابل و مستعد، و سزاوار ورود و الطاف خداوندی بود، در ایام دولت او پایۂ علم و فضیلت بلند شد، و علما و فضلا ترتیب یافتند۔"

سلاطین لنگاہ کے دور میں مولانا فتح اللہ ملتانی کی درس گاہ نے جو اپنے علم و دانش اور فضل و مرتبت کے باعث "دانش مند" کے نام سے پکارے جاتے تھے اور ہمارے مُلّا سعد اللہ ملتانی ثم لاہوری کے دادا تھے، بڑے بڑے نامور فضلا پیدا کیے جن پر تاریخ کو بجا طور پر فخر حاصل ہے۔ ان میں ملک العلما مولانا عبد اللہ عثمانی تلنبی ملتانی، مولانا عزیز اللہ ملتانی اور مولانا ابراہیم جامع ملتانی ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ نظام الدین ہروی اور فرشتہ نے بیان کیا ہے کہ سلطان حسین کو یہ جان کر سخت افسوس ہوا کہ اس کا خزانہ مملکت، مالوہ، دکن، بنگالہ اور گجرات کے شاہی محلات کے برابر کا شاہی محل تعمیر کرنے کا متحمل نہیں مگر اس کے وزیر باتدبیر عماد الملک نے یہ کہہ کر تسلی دی کہ ان سلطنتوں کی سرزمین اگر زرخیز ہے تو کیا ہوا مملکت ملتان کی زمین مردم خیز ہے[۲]۔ "وہم چنیں از طبقۂ نجاریہ چندکس در اُچہ و ملتان موجود اند کہ

در کمالاتِ ظاہری و باطنی بر حاجی عبدالوہاب شرف دارند، و از طبقہ علما مثل مولانا فتح اللہ و شاگرد او مولانا عزیز اللہ از خاک پاک ملتان مخلوق شدہ اند کہ اکثر ہندوستان بوجود ایں عزیزاں افتخار کنند[۴]"

بہر حال ملا سعد اللہ کے دادا مولانا فتح اللہ دانش مند ملتانی اپنے عہد کے ایک ممتاز و مشہور عالم اور عہد ساز و تاریخ گر استاد تھے۔ مولانا ملتان ہی میں پیدا ہوئے اور وہیں اس دور کے مسلّم اہل علم سے درسی علوم کی تحصیل کا آغاز کیا۔ مولانا فتح اللہ کے اساتذہ میں سے ایک مولانا شہاب الدین ملتانی بھی تھے، جنھوں نے دیار ہند کے علاوہ دوسرے ملکوں کے علما سے بھی استفادہ کیا تھا حتیٰ کہ وہ منطق اور فلسفے کی تعلیم کے لیے سرزمین شیراز میں بھی وارد ہوئے تھے۔ وہاں آپ نے السید الشریف زین الدین علی الجرجانی سے معقولات کی سند لی تھی[۴]۔ مولانا فتح اللہ حصولِ علم کے لیے دہلی بھی تشریف لے گئے تھے۔ دہلی میں اس زمانے میں علامہ سعد الدین تفتازانی کے ایک شاگرد مولانا موسیٰ الجعبری درس و تدریس کے منصب پر فائز تھے۔ مولانا فتح اللہ نے ان کے پاس علوم کی تکمیل کی اور سند فراغت لینے کے بعد ملتان آ گئے۔ یہاں آپ نے ایک مدت تک معقولات و منقولات کا درس جاری رکھا۔ آپ کے تلامذہ میں آپ کے صاحبزادے مولانا ابراہیم جامع کے علاوہ مولانا عزیز اللہ ملتانی بھی تھے، جو سلطان سکندر لودھی کے عہد کے ممتاز عالم معقولات و منقولات ملک العلما مولانا عبد اللہ عثمانی تلنبی کے عزیز دوست اور معاصر تھے[۵]۔

مولانا سعد اللہ لاہوری کے والد مولانا ابراہیم جامع بھی ایک فاضل استاد تھے۔ آپ نے اپنے والد مولانا فتح اللہ دانش مند سے علوم متداولہ کا درس لیا اور ایک طویل مدت تک ان کی صحبت و افادہ سے متمتع ہوئے، بعد میں آپ اپنے والد کی اسی درس گاہ میں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور ۹۳۲ھ تک یہ فریضہ انجام دیتے رہے[۶]۔ آپ بھی حصارِ ملتان کے دوران اپنے بیٹے کے ہمراہ قید ہوئے۔ پھر رہائی پائی۔ سلطان حسین مرزا ارغون کے حضور میں ایک فقہی مباحثہ ہوا، جس میں مولانا جامع نے بھی حصہ لیا اور اپنے علم و فضل کی ایسی دھاک بٹھائی کہ بادشاہ آپ کا گرویدہ ہو گیا۔ سلطان نے اپنی مصاحبت اور سرکاری منصب کی پیش کش کی جسے آپ نے قبول نہ کیا۔ مولانا جامع ۹۳۲ھ (۱۲۵۶ء) میں فوت ہوئے[۵] اور بقول

فرشتہ ونظام الدین ہروی مولانا ابراہیم جامع مسلسل ۵۴ سال تک مختلف علوم وفنون کا درس دیتے رہے۔

مولانا سعد اللہ ملتانی ثم لاہوری بن مولانا ابراہیم جامع بن مولانا فتح اللہ دانش مند نے اس علمی ماحول اور فاضل گھرانے میں ۹۲۱ھ (۱۵۱۵ء) میں آنکھ کھولی۔ ابتدائی عمر ملتان میں گزاری اور اپنے والد مولانا ابراہیم جامع سے کتب درسیہ وعلوم متداولہ پڑھے۔[۵۸] ۹۳۲ھ (۱۵۲۶ء) میں اپنے والد کی وفات اور ملتان کی تباہی کے بعد آپ حصول علم کے لیے دیپال پور تشریف لے گئے۔ (دیپال پور ضلع ساہیوال کا ایک قدیم اور تاریخی شہر ہے)۔ یہاں آپ نے شیخ بایزید دیپالپوری سے علوم ظاہری اور باطنی کا اکتساب کیا۔[۵۹]

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے، مولانا سعد اللہ لاہوری کا خاندان ملتان کے سلاطین لنگاہ کے عہد کا ایک سربرآوردہ علمی خاندان تھا۔ ۹۲۱ھ میں مرزا حسین ارغون والئ ٹھٹھہ نے جب بابر کے اشارے سے ملتان پر قبضہ کرنے کے لیے قلعے کا محاصرہ کیا تو اس وقت مولانا کے والد ابراہیم جامع زندہ تھے مگر بینائی ضائع ہو چکی تھی۔ وہ خود بھی اس وقت گیارہ بارہ سال کے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اس حادثہ کی روداد بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے جسے برصغیر کے اکثر مورخین مثل فرشتہ اور نظام الدین ہروی وغیرہ نے ان کی زبانی نقل کیا ہے۔[۶۰] مولانا کا بیان ہے کہ یہ محاصرہ بڑا سخت تھا جو ایک سال چند ماہ رہا۔ نہ کوئی باہر جا سکتا تھا اور نہ کوئی چیز اندر آ سکتی تھی۔ لوگ بلّی کتے تک کھانے لگے تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ شجاع الملک نامی وزیر نے رعایا پر ظلم وتشدد کیا اور جہاں شبہ ہوتا وہ گھر کی تلاشی لے کر غلّہ اپنے قبضے میں لے لیتا۔ لوگ بڑے تنگ آ گئے تھے۔ بالآخر مرزا ارغون کی فوج قلعے میں داخل ہو گئی اور قتل وغارت اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ بچّے، بوڑھے، مرد اور عورتیں سب اس ظلم کا نشانہ بنے، جس کے ہاں دولت کا گمان ہوتا بڑی ذلت واذیت کے ساتھ چھین لی جاتی۔

خود مولانا اور ان کے والد پر جو بیتی وہ بھی بڑی دردناک اور دلچسپ ہے جسے مولانا سعد اللہ کی اپنی زبانی شیخ ہروی اور فرشتہ نے تفصیل سے نقل کیا ہے۔[۶۱] "مولانا سعد اللہ اپنی داستان یوں بیان کیا کرتے تھے کہ جب قلعے پر مرزا ارغون کے لشکر نے قبضہ کر لیا تو ایک گروہ میرے گھر میں بھی آ گھسا سب سے پہلے ایک شخص نے میرے والد کو، جو مولانا ابراہیم جامع کے نام سے مشہور تھے، ۷۵ سال

مسند تدریس پر متمکن رہے، مختلف علوم کا درس دیتے رہے اور آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے، پکڑ کر باندھ لیا۔ گھر کی صفائی اور عمارات کی خوبصورتی سے انھیں ہم پر بھی دولت مند ہونے کا گمان تھا۔ اس لیے اس شخص نے میرے والد کی بے عزتی کرنا شروع کر دی۔ ایک اور آدمی اندر آیا اور اس نے مجھے گرفتار کر کے مرزا ارغون کے وزیر کو بطور تحفہ پیش کر دیا۔ اتفاق سے اس وقت وزیر مذکور محل سرائے کے صحن میں لکڑی کے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے حکم دیا کہ میرے پاؤں میں بنڈ ڈال کر تخت کے ایک پائے سے باندھ دیا جائے۔ میری آنکھوں میں آنسو نہیں تھے، مجھے زیادہ تر اپنے والد پر رونا آتا تھا۔ تھوڑی دیر گزری ہوگی کہ وزیر نے دوات طلب کی اور کچھ لکھنے کے ارادہ سے قلم درست کیا۔ معاً اسے خیال آیا کہ نئے سرے سے وضو کر کے لکھنے میں مصروف ہو۔ چنانچہ وہ اٹھا اور غسل خانے میں چلا گیا۔ محل سرائے میں چونکہ اس وقت اور کوئی نہ تھا اس لیے میں نے تخت کے قریب آکر قصیدہ بُردہ کا یہ شعر اسی کاغذ پر لکھ دیا جو اس نے کتابت کے لیے طلب کیا تھا:

فما لعینك ان قلت اکففا همتا   وما لقلبك ان قلت استفق یهم

(تیری آنکھوں کو کیا ہو گیا ہے؟ تو اگر انھیں رکنے کو کہتا ہے تو وہ بہہ پڑتی ہیں۔ یہی حال تیرے دل کا ہے کہ اگر تو اسے ہوش میں آنے کو کہتا ہے تو یہ اور بھی بے قابو ہو جاتا ہے؟)

یہ شعر لکھ کر میں دوبارہ پیچھے ہو گیا اور میری آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے۔ کچھ دیر بعد جب وزیر مذکور واپس آیا اور اپنی جگہ بیٹھ گیا تو کچھ لکھنے کے ارادے سے کاغذ اٹھایا تو اس پر یہ شعر لکھا ہوا نظر آیا۔ محل میں اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی مگر کوئی انسان نظر نہ آیا۔ چنانچہ میری طرف متوجہ ہوا اور پوچھا کہ یہ شعر تو نے لکھا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ وزیر نے میرے حالات دریافت کیے۔ جونہی میں نے اپنے والد کا نام لیا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ میرا بند کھول دیا۔ اپنا پیراہن مجھے پہنایا اور اسی وقت مجھے مرزا کے دیوان خانے میں لے گیا۔ مجھے اس کے سامنے پیش کیا اور میرے والد کے حالات سے اسے آگاہ کیا۔ مرزا نے میرے والد کو تلاش کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ دربار شاہی میں داخل ہوئے تو اس وقت فقہ کی کتاب ہدایہ کا ذکر ہو رہا تھا۔ مرزا کے حکم سے ایک خلعت میرے والد کو اور ایک مجھے پہنائی گئی۔ والد صاحب نے پریشان خیالی کے باوجود بحث میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ انھوں نے ایسے عمدہ انداز میں تقریر کی کہ سب حاضرین مجلس ان کے فریفتہ و شیدائی ہو گئے۔ مرزا ارغون نے

والد صاحب کو اپنی ہمراہی کی تکلیف دینا چاہی اور اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ مولانا کی چھنی ہوئی تمام اشیا واپس کر دی جائیں اور جو بہم نہ پہنچ سکیں ان کی قیمت سرکاری خزانے سے ادا کی جائے۔ میرے والد نے مرزا کو جواب دیا کہ اب تو زندگی بیت چکی ہے۔ اب بادشاہ کی ہمراہی کے بجائے سفر آخرت کا وقت ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور والد دو ماہ بعد خدا کے جوارِ رحمت میں پہنچ گئے[۱۱]"

مولانا سعد اللہ ملتان کی ویرانی کے بعد کچھ عرصہ دیپال پور میں بایزید دیپالپوری کے پاس ٹھہرے اور پھر لاہور کا رخ کیا۔ اس وقت پنجاب پر مرزا کامران حکمران تھا، اور لاہور نے ٹھٹھہ اور ملتان کا علمی مقام حاصل کرنا شروع کر دیا تھا۔ ملّا سعد اللہ ملتانی جب لاہور میں وارد ہوئے تو اس وقت یہاں مولانا عبدالرحمٰن لاہوری کا درس بڑی شہرت حاصل کر چکا تھا۔ مولانا موصوف بھی اصل میں ملتان کے رہنے والے تھے اور سکندر لودھی کے دور کے ممتاز عالم معقولات مولانا عزیز اللہ ملتانی کے بیٹے تھے۔ آپ نے علوم متداولہ کی تحصیل اپنے والد سے کی اور پھر لاہور تشریف لے آئے، جہاں آپ نے درس و افادہ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ملّا سعد اللہ جب ملتان سے دیپالپور ہوتے ہوئے لاہور آئے تو مولانا عبدالرحمٰن نے اپنا ہم وطن اور اپنے استاد بھائی کا بیٹا سمجھ کر انھیں اپنے حلقہ درس میں شامل کر لیا اور بڑی شفقت کے ساتھ اپنے پاس رکھا[۱۲]

مولانا سعد اللہ لاہوری ایک صوفی منش عالم دین تھے۔ آپ کو تصوّف کی روحانی دنیا میں بہت بلند مقام حاصل تھا۔ بقول[۱۳] فرشتہ آپ کے والد چونکہ آخری عمر میں صوفی و زاہد بن گئے تھے، اس لیے بچپن سے آپ کو اُن سے روحانیات کا سبق مل گیا تھا۔ ظاہر ہے جو بچہ بارہ سال کی عمر میں قصیدہ بُردہ کا حافظ ہے اور اس کے طفیل نجات کی راہ تلاش کر سکتا ہے، وہ صوفی نہیں تو اور کیا بنے گا۔ بختاور خاں کا بیان ہے کہ مولانا اپنے تلامذہ اور عقیدت مندوں کو کتب تصوف و سلوک کا درس دیتے تھے[۱۴]۔ بسا اوقات یوں ہوتا کہ آپ معرفت کے مسائل بیان کرتے کرتے مادّی اجسام کے عالم سے معرفت و روحانیات کی دنیا میں کھو جاتے اور استغراق کا ایسا عالم طاری ہوتا کہ دو دو تین تین دن تک یہی کیفیت طاری رہتی تھی، اس اثنا میں کھانا پینا اور نماز تک چھوٹ جاتی تھی۔ جب غفلت و استغراق کی یہ کیفیت ختم ہوتی تو اپنے خادم سے قضا شدہ نمازوں کی تعداد دریافت فرماتے اور غسل کرنے کے بعد نمازیں ادا کرنے میں مشغول ہو جایا

کرتے تھے۔

مولانا کے دل میں رجوع الی اللہ کی محبت اور دنیا و مافیہا کی نفرت اس شدت کی تھی کہ بعض اوقات حالت وجد میں آکر مقابرہ کا رُخ کرتے۔ کسی پرانی قبر میں دراز ہوجاتے۔ اپنا منہ چادر سے ڈھانپ لیتے اور یادِ خدا میں مشغول ہوجایا کرتے تھے[۱۱]۔ نظام الدین ہروی[۱۲] نے مولانا کے بارے میں لکھا ہے کہ "از کبار علمای وقت بود، و بروش ملامتیہ سلوک می نمود۔" مولوی رحمان علی کا قول[۱۳] ہے کہ "مولانا سعد اللہ لاہوری باوجود فضیلت موفورہ روش ملامتیہ داشت۔" غالباً دنیا سے انتہائی نفرت اور فطری عجز و انکسار نے مولانا کو صوفیہ کے گروہ ملامتیہ کے طریق پر عمل پیرا ہونے کی رغبت دلائی ہوگی؟

بختاور خاں نے لکھا ہے کہ مولانا درجہ ولایت کو پہنچے ہوئے تھے اور آپ کی بہت سی کرامات اور خوارق عادات شہرت عام کا درجہ حاصل کرچکی تھیں[۱۴]۔

آخری عمر میں مولانا سعد اللہ لاہوری چلنے پھرنے سے معذور ہوگئے تھے۔ بختاور خاں نے لکھا ہے کہ قیام لاہور کے دوران میں جب اکبر بادشاہ نے آپ کو دربار میں طلب کیا تو آپ کو معذور ہونے کے باعث پالکی میں اٹھا کر لے جایا گیا (عرش آشیانی در ایامی کہ شیخ زمین شدہ بود طلب نمودند، در پالکی انداختہ بردند)[۱۵]۔ جب آپ اکبری دربار میں پہنچے تو بادشاہ نے ایک غالیچہ بچھایا اور آپ کی صحبت سے متمتع ہونے کے لیے پاس بیٹھ گیا۔ اکبر نے مولانا سے کئی ایک سوال کیے جن کا انھوں نے جواب دیا۔ ایک سوال یہ تھا کہ بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات تک کیونکر رسائی ممکن ہے؟ آپ نے جواب: جس طرح اس فقیر کو بادشاہ کے حضور میں رسائی حاصل ہوگئی ہے۔ بادشاہ نے اس کی مزید وضاحت طلب کی تو آپ نے فرمایا۔ میں سلطنت کے کارندوں کے ذریعہ بارہا دربارِ شاہی تک رسائی کے وسائل کا متلاشی رہا مگر کسی طرح مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔ اب آپ نے طلب کیا تو بغیر کسی وسیلے کے پہنچ گیا ہوں۔ یہی حال بندے کے لیے حق سبحانہ و تعالیٰ کے حضور تک رسائی حاصل کرنے کا ہے۔ جب اللہ کی طرف سے سامان ہدایت مہیا ہوجاتا ہے اور وہ اپنے بندے کو خود طلب کرتا ہے تو اسے اپنے گوہر مقصود تک رسائی آسان ہوجاتی ہے۔ مولانا کی اس گفتگو سے اکبر بہت

متاثر ہوا۔ آپ جب رخصت ہو کر چلے آئے تو بادشاہ نے اپنے مصاحبوں سے کہا کہ: "ازیں مرد بوی سلف می آید"[۲۱]

مولانا سعد اللہ ملتانی ثم لاہوری ۹۹۹ھ (۱۵۹۱ء) میں اکبر کی لاہور میں موجودگی (۱۵۸۴ء تا ۱۵۹۸ء) میں ۷۸ برس کی عمر میں فوت ہوئے۔ بقول بختاور خاں آپ کی تاریخ پیدائش لفظ "ذاکر" (۹۲۱ھ) اور سنین حیات کی تعداد لفظ "حکیم" سے نکلتی ہے۔[۲۲] ان دونوں لفظوں کے مجموعے یعنی "ذاکر حکیم" (۹۹۹ھ) سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

حواشی:

۱ؑ طبقات اکبری ۳/ ۵۲۵، تاریخ فرشتہ ۲/ ۴۳۸

۲ؑ تاریخ فرشتہ ۲/ ۴۳۲، اسی سے ملتے جلتے الفاظ طبقات اکبری ۳/ ۵۳۲ میں ہیں۔

۳ؑ ایضاً ۴ؑ نزہتہ الخواطر ۳/ ۴۸

۵ؑ منتخب التواریخ ۲/ ۳۲۴، نزہتہ الخواطر ۳/ ۱۱۳ ۶ؑ نزہتہ الخواطر ۴/ ۲

۷ؑ طبقات اکبری ۳/ ۵۴۳، تاریخ فرشتہ ۲/ ۴۳۸، نزہتہ الخواطر ۴/ ۲۰۔

۸ؑ مرآۃ العالم ص ۵۱۶ ۹ؑ نزہتہ الخواطر ۴/ ۱۲۲

۱۰ؑ تاریخ فرشتہ ۲/ ۴۳۸، طبقات اکبری ۳/ ۵۴۲ ۱۱ؑ ایضاً

۱۲ؑ طبقات اکبری ۳/ ۵۴۳، تاریخ فرشتہ ۲/ ۴۳۸ ۱۳ؑ نزہتہ الخواطر ۴/ ۱۷۱

۱۴ؑ تاریخ فرشتہ ۲/ ۶۳۸ ۱۵ؑ مرآۃ العالم ص ۵۱۷

۱۶ؑ ایضاً ۱۷ؑ طبقات اکبری ۲/ ۴۶۱

۱۸ؑ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۶، مطبوعہ نسخے میں ملا مٹہ طباعت کی غلطی ہے جس پر فاضل مترجم مولانا ایوب قادری بھی متنبہ نہیں ہو سکے اور شاید یہ خیال کیا کہ مٹہ نامی کوئی ملا ہو گا جس کی سعد اللہ لاہوری پیروی کرتے تھے۔ دیکھیے اردو ترجمہ تذکرہ علمائے ہند از ایوب قادری ص ۱۷۰

۱۹ؑ مرآۃ العالم ص ۵۱۷ ۲۰ؑ ایضاً ۲۱ؑ ایضاً

۲۲ؑ ایضاً، نیز دیکھیے نزہتہ الخواطر ۴/ ۱۲۳۔